8 کا پرچہ

کرتی۔

بقول رام بابو سکسینہ

"بحیثیت شاعر ان کی جگہ صنف اولین میں ہے اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کو زبان اردو کے تمام شعراء سے بہترین اور کامل ترین سمجھتے ہیں اور ان کو ہندوستان کا شیکسپیئر اور خدائے سخن مانتے ہیں۔"

انیس کی مرثیہ نگاری کی خصوصیات

انیس کو اردو کا سب سے بڑا مرثیہ نگار قرار دیا جاتا ہے۔ مرثیہ نگاری کی تاریخ کا مختصر سا جائزہ لینے سے یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ انیس نے نہ تو اردو مرثیے کی ابتداء کی اور نہ ہی اس کی ہیئت میں کوئی جدت پیدا کی بلکہ جس شکل میں مرثیہ اس زمانے تک پہنچ چکا تھا اس میں بعض تبدیلیاں کیں اور اسے تکمیل تک پہنچایا۔ انیس خاندانی شاعر تھے اور مرثیہ گوئی بھی ان کے خاندان میں کئی پشتوں سے موجود تھی۔

عمر گزری ہے اس دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

(۱) واقعہ نگاری

انیس واقعہ نگاری کے مرد میدان ہیں۔ ان کی فنکارانہ نظر واقعہ نگاری کی صناعی پر چابکدستی سے قائم رہتی ہے۔ اس سلسلے میں شبلی بھی ان کی تعریف کرتے ہیں کہ واقعی نگاری کا فن انیس کا خاصہ ہے۔

میر انیس نے واقعہ نگاری کو جس کمال کے درجہ تک پہنچا دیا ہے اردو کیا فارسی میں بھی اس کی نظیر مشکل سے ملتی ہیں۔ میر انیس چونکہ فطرت اور معاشرت انسانی کے بہت بڑے رازداں ہیں اس لئے دقیق سے دقیق اور چھوٹے سے چھوٹا نکتہ بھی ان کی نظر سے نہیں بچ سکتا۔ اس کے ساتھ زبان پر قدرت ہے کہ کہیں ان کو دقت پیش نہیں آتی۔ مثلاً جوانان اہل بیت کی سیر و خوش خرامی کے موقع پر کہتے ہیں

انیس ہوا میں اڑتی تھیں ہاتھوں میں ہاتھ ہے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ ہے

واقعہ نگاری کے یہ نمونے بڑے ہی خوبصورت اور دلاویز ہیں۔ میر انیس کا اصلی کمال اس وقت نظر آتا ہے جب وہ کسی طویل واقع کی تفصیلات مسلسل بیان کر رہے ہوں۔ ایسے واقعات پر مضمون سازی و تسلسل جزئیات کی پیوستگی اور بیان کے انتظام کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ہر بات اگلی بات سے وابستہ ہوتی چلی جاتی ہے۔

Scanned with CamScanner

بقول سید وصی رضا:

"میر انیس نے مختلف واقعات کو اس طرح مربوط و منظم صورت میں پیش کیا ہے کہ ہم کو افراد کی چلتی پھرتی تصویریں نظر آتی ہیں۔"

(2) کردار نگاری

ڈرامہ کی طرح مرثیہ میں کردار نگاری کو خصوصی اہمیت حاصل ہے مگر مرثیہ اور ڈرامہ کی کردار نگاری میں ایک بنیادی فرق ہے۔ ڈرامہ نگار کردار خود تخلیق کرتے ہیں۔ سوائے تاریخی ڈراموں کے لیکن مرثیہ کے کردار بنے بنائے ہوئے ہیں چونکہ مرثیہ کے کرداروں کا تعلق تاریخی واقعات سے ہوتا ہے۔ مرثیہ کے کردار مثالی ہوتے ہیں جیسا کہ امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھی حق و صداقت کے علمبردار ہیں اور یزیدی لشکر باطل کا پیروکار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرثیہ کا تعلق مذہبی جذبات سے ہے اس لئے مرثیہ نگار بد کو بدتر اور نیک کو نیک تر بنانے کی سعی کرتا ہے لیکن یہ کام تاریخی حقائق کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔

انیس کا کمال کردار نگاری یہ ہے کہ وہ پہلے سے مرتب شدہ کرداروں کو جو تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں زندہ اور متحرک بنا دیتے ہیں۔ انیس کی پیشکش سے معلوم ہوتا ہے کہ مرثیہ کا کردار سامع کا غریب آدمی ہے۔ انیس کردار کو زندگی کے تقاضوں سے اس حد تک ہم آہنگ کر دیتے ہیں کہ ان کے مثالی یا تاریخی ہونے کا شبہ تک نہیں رہتا۔ وہ فنی کمال سے مرثیہ کے کرداروں کو ڈرامہ کا کردار بنا دیتے ہیں۔

ڈرامہ نگار کیلئے بڑی سہولت یہ ہے کہ وہ کرداروں کا انتخاب کر سکتا ہے جس کردار کو چاہے اہمیت دے جس کو چاہے نظر انداز کر دے مگر مرثیہ میں مشکل یہ ہے کہ کردار بے شمار ہوتے ہیں اور ان تمام کو مناسب نمائندگی دینا مرثیہ نگار کا فن ہے۔ مثلاً

"کمسن بچی سکینہ کا کمبل سے باہر نکلنے کی خواہش میں اپنے چچا کو طعنہ دینا۔"

تم تو ہوا میں ہو میری حالت خراب ہے۔

یہ ثابت کرتا ہے کہ انیس کو بچوں کی اس نفسیات کا خوب علم تھا کہ وہ اپنے بڑوں سے کام لینے کیلئے ایسے ہی غیرت انگیز طعنے دیتے ہیں۔

اس طرح امام حسین علیہ السلام کا حضرت عباسؓ کی مرضی کے خلاف ان کو لڑائی سے روک دینا۔ عباس کی جنگجو اور غیور طبیعت کی عکاسی کرتا ہے جو امام کے حکم سے ناچار ہو کر اپنے جوش طبیعت دبانے پر مجبور ہو گئے تھے۔

آقا نے دی جو اپنے سر پاک کی قسم
بس تھرتھرا رہ گیا وہ صاحب کرم

Scanned with CamScanner

پر تھی تیکس جبیں پر نہ ہوتا تھا غیظ کم
چپ ہو گئے قریب جو آئے شیر الم
گردن جھکا دی نہ ادب میں خلل پڑے
قطرے لہو کے آنکھوں سے لیکن نکل پڑے

(2) جذبات نگاری

میر انیس کے مرثیوں میں نہایت کثرت سے جذبات اور ان کے مختلف مدارج کا ذکر ہے جس جگہ جس چیز کو لیا ہے اس کمال کے ساتھ اس کی تصویر کھینچی ہے کہ اس کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

بقول ناظر حسن زیدی:

"انیس کی شاعری کا جوہر جذبات نگاری میں کھلتا ہے اور یہیں ان کی شاعری ہم عصروں سے الگ ہو جاتی ہے۔"

آغاز سفر میں امام حسین علیہ السلام اپنی بیمار بیٹی صغریٰ کو گھر پر چھوڑنے پر اصرار کرتے ہیں دوسری طرف اس کا ساتھ چلنے پر اصرار ہے۔ بیقراری اور جذبات کی شدت کے اعتبار سے یہ مقام بڑا دردناک ہے۔ صغریٰ کہتی ہیں:

کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار
ہے کونسی تقصیر کہ سب ہو گئے بے زار
زندہ ہوں پر مردہ کی طرح ہو گئی دشوار
کیوں بھاگتے ہیں سب مجھے ہے کون سا آزار
حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اس کا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا

جذبات کی مصوری میں میر انیس کا خاص وصف یہ ہے کہ وہ ہر شخص کی عمر، مزاج اور کردار کے مطابق تصویر جذبات کھینچتے ہیں۔ ایک ہی جذبہ مختلف اشخاص پر مختلف اثرات پیدا کرتا ہے اور یہ فن کار کا کمال یہ ہے کہ وہ اس نازک فرق کو پوری مہارت سے دکھائے۔ انیس نے یہ باریکیاں بڑے کمال کے ساتھ ملحوظ خاطر رکھی ہیں۔

(4) منظر کشی

یہ ایک ایسا پہلو ہے جس کے حوالے سے ان کی تعریف وہ نقاد بھی کرتے ہیں جو ان کو بڑا شاعر تسلیم نہیں کرتے۔ میر انیس نے اس ضمن میں جو کچھ لکھا اسے کمال کے درجے پر پہنچا دیا۔ میر انیس ہر منظر کی تصویر کشی لاجواب کرتے ہیں۔ ان کی نظر پورے منظر پر پڑتی ہے۔ وہ ایک ایک شے کو

Scanned with CamScanner

اس طرح بیان کرتے ہیں کہ منظر نگاہوں میں پھرنے لگتا ہے۔

انہوں نے فطرت کی چیزوں مثلاً صحرا' سورج' ندی وغیرہ کی ہو بہو تصویریں پیش کر دی ہیں بلکہ انیس نے ان موضوعات کو اپنے مرثیوں میں تمہید کا درجہ دیا ہے اور اس سے بھرپور تاثر ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پوری کائنات کربلا کی طرف دیکھ رہی ہے۔

گویا انیس کے ہاں فطرت اور انسان کی مختلف جدتیں نظر آتی ہیں۔ خاص طور پر صحرا اور تپش کے اشاروں کو ابھارا گیا ہے کہ نہر کا پانی کس طرح چلتا ہے اور صحرا کی ریت کس طرح گرم ہوتی ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا نے لکھا ہے:

"انیس کے ہاں صبح کے مناظر بہت عجیب و غریب ہیں اور ایک عجیب سا تضاد ہمارے سامنے آتا ہے کہ صبح کا منظر سہانا اور خوبصورت ہوتا ہے۔ اس منظر میں بڑی معصومیت' نرمی اور لطافت ہوتی ہے۔ یہ انیس کے واقعہ کربلا کے ساتھ منسلک ہو کر آیا ہے لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ ابھی جنگ شروع ہو جائے گی اور صبح کی تمام تر لطافت پاکیزگی اور معصومیت اپنے ساتھ بہا کر لے جائے گی۔

انیس کی بدولت باغ کے دلچسپ مرقعوں صبح شام کے رنگین مناظر کی اعلیٰ تصویروں سے ہمارا نگار خانہ ادب بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ اس نے تخیل و محاکات کے امتزاج لطیف سے ہمارے ادب کے دامن کو ایسے موتیوں سے بھر دیا ہے جس کی نظیر اردو زبان میں نہیں مل سکتی۔

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزا ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا

(5) فصاحت بیاں

فصاحت کی تعریف یہ ہے کہ شعر میں آنے والے الفاظ نہ مانوس نہ ہوں۔ بقول شبلی: "انیس کے کمال شاعری کا بڑا جوہر یہ ہے کہ ان کے تمام کلام میں غیر فصیح الفاظ نہایت کم پائے جاتے ہیں۔"

انیس کے کلام میں فصاحت اس درجہ نمایاں ہے کہ ان کا کوئی مخالف بھی اب تک اس کا انکار کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ وہ دقیق خیالات کو آسان لفظوں میں اس طرح ادا کر دیتے ہیں کہ باریک بین نگاہیں مضمون کی جدت اور باریکی تک نہیں پہنچتی اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتی ہیں کہ انیس کے کلام کی خوبی صرف ان کی فصاحت ہے۔

فصاحت اور بلاغت نے مل کر ان کے کلام کو رقت انگیز اور مؤثر بنا دیا ہے۔

چلاتی ہے سکینہ کہ اچھے میرے چچا
مہمل میں گھٹ گئی مجھے گود میں لو ذرا

Scanned with CamScanner

بابا سے کہہ دو اب کہیں خیمہ کریں لگا
ٹھنڈی ہوا میں لے کے چلو تم پر میں فدا
سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ ایک ہے
تم تو ہوا میں ہو میری حالت خراب ہے

تشبیہات و استعارات

تشبیہ میں جس قدر خوبیاں انیس کے کلام میں پائی جاتی ہیں اردو زبان میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مثلاً حضرت عباسؓ پر ہر طرف سے برچھیاں چلنے لگیں ہیں تو اس حالت کو یوں ظاہر کرتی ہیں۔

یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

یا پھر حضرت عباسؓ کے دونوں ہاتھ تلوار سے کٹ کر گر پڑے اور انہوں نے مشک کو دانتوں سے پکڑ لیا۔ اس حالت کی تصویر اس طرح کھینچی:

مشکیزہ تھا کہ شیر کے منہ میں شکار تھا

وسیع ذخیرہ الفاظ

حسن کلام کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ استعمال کیے جائیں۔ میر انیس نے زمزمہ، بذم، فخر، نوحہ سب کچھ لکھا ہے لیکن جس قسم کا موقع ہوتا ہے ویسے ہی الفاظ ان کے قلم سے نکلتے ہیں۔ زرمیہ فخر لکھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ:

طاقت اگر دکھاؤں رسالت مآب کی
رکھ دوں زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

عجیب بات ہے کہ انیس نے مناظر قدرت کی عکاسی جذباتی فطرت کی مصوری کردار نگاری کے کمال اور مکالمہ نگاری کے اعجاز شہرت حاصل کی تو اس کے ہر لفظ اور محاورے کے آگے سب کو سر جھکانا پڑتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اردو زبان کا مالک تھا۔

انیس کے کلام کی مثال ایسے گلدستہ کی مانند ہے جس کو ہوشیار مالی نہایت محنت سے ترتیب دے کر تیار کرتا ہے لیکن دیکھنے پر وہ ایسا قدرتی معلوم ہوتا ہے کہ گویا قدرت نے اپنی ضیاع کے ہاتھوں سے ہی کر پیش کیا ہے۔

انیس کا تصور انسان

سلیم اختر نے اپنے مضمون کا عنوان انیس کے ایک مرثیہ کے مصرع کے تحت لکھا:

"چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلیں"

اس میں انہوں نے بنیادی طور پر انیس کے تصور انسان کو بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ کوئی

Scanned with CamScanner

شاعری اس وقت تک عظمت کی حدود میں داخل نہیں ہو سکتی جب تک وہ اس سوال کا جواب نہ دے کہ انسان کیا ہے۔ ان کے کہنے کا مطلب ہے کہ ہر شاعر کا اپنا ایک تصور انسان ہوتا ہے۔ بقول سلیم اختر کہ اردو شاعری میں انسان کی چار بڑی تصویریں ملتی ہیں:

(1) انسان بحیثیت عاشق

''یعنی عشق میں مبتلا انسان'' سب سے زیادہ بلند سطح پر یہ تصویر میر کی شاعری میں ملتی ہے کہ انسان بحیثیت عاشق کی ناکامی اور جگر کاری میر کیلئے نشتر بن گئی ہے۔

(2) انسان بحیثیت فرد

انسان بحیثیت فرد کہ جس کی آفاق گیر عنایت غالب کے اندیشہ ہائے دور دراز میں جھلکتی ہے۔

(3) انسان بحیثیت تماشائی

جس کی حس سیر و تماشا نظیر اکبر آبادی کے پنجاروں کے ساتھ گھومتی نظر آتا ہے۔

(4) انسان بحیثیت مرد عمل

اس کی عظیم مثال اقبال کی شاعری میں ملتی ہے۔

سلیم اختر رقمطراز ہیں کہ ان سے ہٹ کر ایک انسان جو انیس کے ہاں نظر آتا ہے وہ ہے انسان خاندانی رشتوں میں یہ پہلی بار اور سب سے بلند سطح پر انیس کی شاعری میں ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ انیس واقعات کربلا کو نظم کرنے کے سلسلے میں اس لئے مہارت رکھتے ہیں کہ ان واقعات میں خود انیس کا عقیدہ، تخیل اور تجربہ یکجان ہو کر حل ہو گئے ہیں۔

شاید خود ایک چھوٹی سی کربلا میر انیس کے دل میں بھی تھی جس کے بغیر یہ واقعات شاعری نہیں بن سکتے تھے۔ میر انیس کے انسان کو ہم اردو شاعری میں پہلی بار اس کے خاندانی رشتوں میں دیکھتے ہیں۔ یہ رشتے جنہیں میر انیس کے سوا کسی دوسرے شاعر نے اتنے احترام اتنی محبت اور دکھ کے ساتھ نہیں دیکھا کہ وہ تخلیق کے موضوع بن گئے۔

انیس کی شاعری میں انسان کے بنیادی ماحول میں باپ، بیٹے، بھائی چچا، بھتیجا، ماموں، بھانجا، ماں، بیٹی، ساس، بہو، نند، بھاوج، شوہر، بیوی، دوست، احباب، آقا و غلام غرض یہ کہ انسانی رشتے کی کون سی شکل ہے جس نے انیس کے دل کو متاثر نہیں کیا۔ خاندان انسانی معاشرہ کی بنیاد ہے اس کے بغیر ہم صرف وحشی کا تصور کر سکتے ہیں۔

مشہور چینی فلسفی کنفیوشس نے خاندان کو معاشرے سے زیادہ اہمیت دی ہے۔

لیکن سلیم اختر کہتے ہیں کہ برصغیر کی شاعری میں دو خاندان نظر آئے ہیں۔ ایک پرانی

Scanned with CamScanner

ہے۔ ''رامائن'' میں یہ واضح شکل میں نظر آتا ہے۔ دوسرا خاندان انیس کے مرثیوں
میں نظر آیا ہے۔
اردو زبان بنیادی طور پر انسانی رشتوں کی زبان ہے۔ اس لحاظ سے انسانی رشتوں کی شاعری
اردو کو انیس کی دین ہے۔ اور خود انیس کی شاعری اردو کی دین ہے۔ غرض کہ اس میں کوئی کلام نہیں کہ
انیس نے اردو شاعری کی بہت بڑی کمی کو پورا اور بڑے خلاء کو پر کیا اور اردو شاعری کے خزانہ میں بیان
کے رچ اور حسین مرقع خاص کر رزمیہ انداز کے جمع کر دیئے جو اس کے پہلے برائے نام بھی نہ تھے اس
سے تکلف، تصنع، مبالغے، اغراق اور دقت پسندی کی فضا میں بہہ کر حقیقی شاعری اور اصلیت نگاری کی شمع
روشن کی۔
وہ حالی اور آزاد کا پیش رو تھا۔ اس نے مرثیہ کو ایک کارگر مربہ کی شکل میں اردو شاعری کو دیا
جسے حالی سے لے کر جوش تک استعمال کرتے رہے۔
زمان و مکاں کی قید سے آزاد زبان، مواد، اسلوب اور فن کا جائزہ لینے کے بعد یہ کہا جا سکتا
ہے کہ انیس کا کلام زمان و مکاں کے قید و بند سے آزاد ہے۔ وہ رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔ اس کا
گلدستہ معنی جسے اس نے نئے ڈھنگ سے باندھا لازوال ہے اور وہ پھول جس کے مضمون کو سو رنگ
سے کھلا سدا بہار ہے۔
ادب کے مایہ ناز رسیا اس پر ہمیشہ سر دھنتے رہیں گے اور شراب سخن کے متوالے اس پر جھومتے
رہیں گے۔
بقول مجنوں گورکھپوری:
''اردو شاعری میں صرف دو ہستیاں ایسی ہیں جن کی شاعری پر مصوری کا گمان ہوتا
ہے۔ ایک میر حسن اور دوسرے ان کے پوتے میر انیس۔''

Scanned with CamScanner